زمین
مصنف: قاسم خورشید
مصور: فجر الدین

پہلی اشاعت : 2016
تعداد : 2000
قیمت : -/25روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1912

ZAMEEN
By: Quasim Khursheed

ISBN:978-93-5160-153-1

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی، 110025
فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک 8، آر کے پورم، نئی دہلی، 110066 فون نمبر: 26109746 فیکس: 26108159
ای میل: urducouncil@gmail.com ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس، C-7/5، لارنس روڈ، انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی ـ 110035
اس کتاب کی چھپائی میں 130GSM, Art Paper استعمال کیا گیا ہے۔

شیتل پور گاؤں کے باہر پیپل کا ایک بڑا درخت ہے۔اس کی بانہیں دور دور تک پھیلی ہیں اسی درخت کے نیچے ایک چبوترا ہے، جس پر بیٹھ کر کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ پنچایت کے فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ بچے کھیلتے بھی ہیں۔اس کی جڑوں میں پوجا کے تازہ پھول بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں چاروں طرف دھاگے بھی لپٹے ہوئے ملیں گے۔ جڑوں میں رکھے ہوئے تازہ پھولوں یا چاروں طرف لپٹے ہوئے، دھاگوں کو بچے نہ چھوتے نہ چھیڑتے ہیں۔

اسی درخت کو لے کر شیتل پور گاؤں کے ایک گھر میں زبردست تناؤ ہے۔اور وہ گھر ہے شیخ رمضانی میاں کا۔شیخ رمضانی پینسٹھ کے ہو چکے ہیں۔ان کے دو بیٹے ہیں۔شیخ کلیم اور شیخ سلیم۔دونوں کی شادی ہو چکی ہے۔کھیتی کے علاوہ قرآن و حدیث کا مطالعہ اور گاؤں کے اکلوتے مولوی صاحب کی تقریر سننے میں ان کی خاص دلچسپی ہے۔
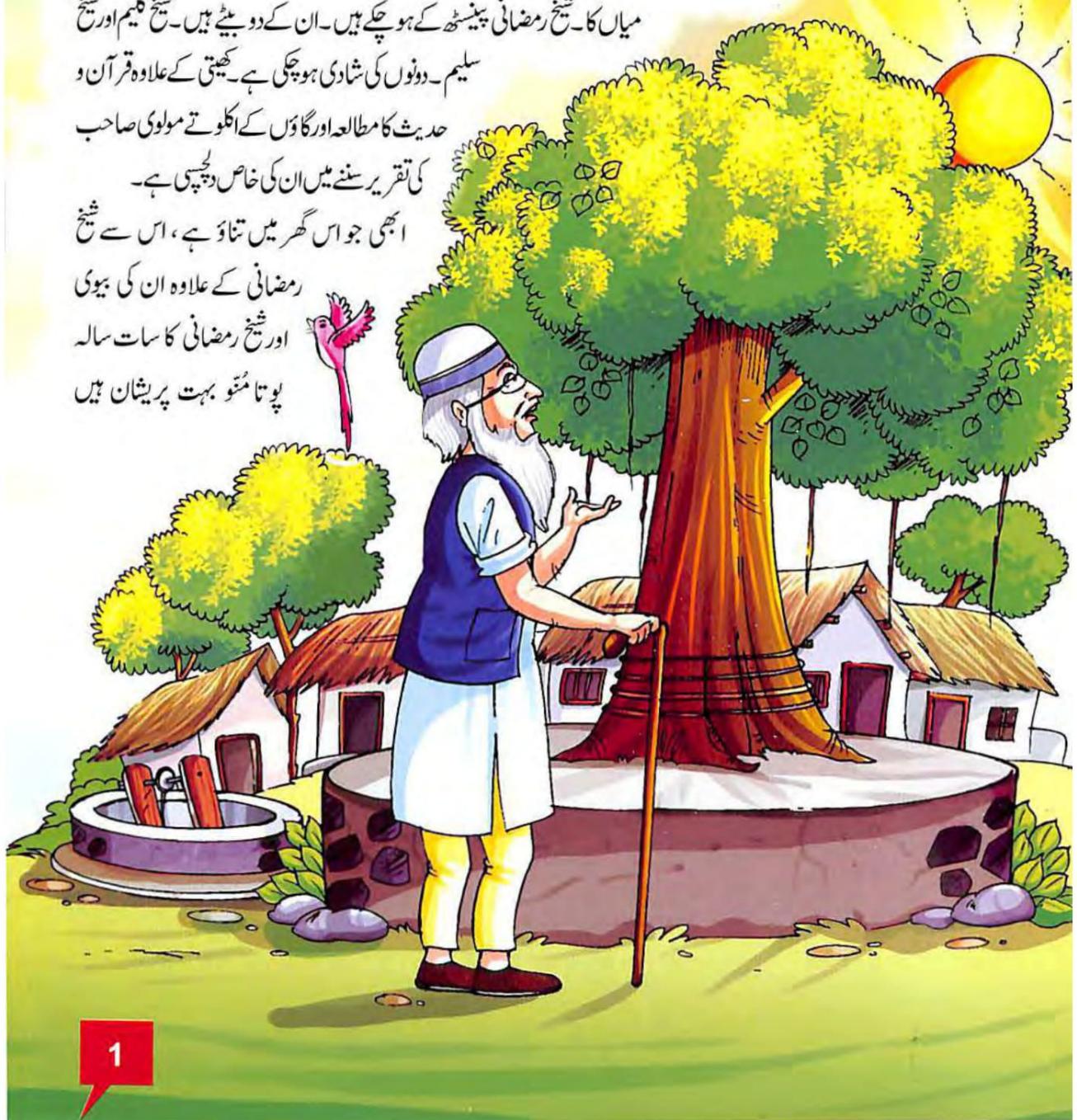
ابھی جو اس گھر میں تناؤ ہے، اس سے شیخ رمضانی کے علاوہ ان کی بیوی اور شیخ رمضانی کا سات سالہ پوتا مُنّو بہت پریشان ہیں

اب توروز صبح وشام پہاڑ ٹوٹتا ہے۔ مُنّو کچھ سمجھ نہیں پاتا تو رونے لگتا ہے۔ شیخ رمضانی غصے سے بھر جاتے ہیں تو اسی پیپل کے نیچے جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

کھلیان سے لوٹنے پر آج پھر دونوں بیٹے، باپ پر بپھر رہے ہیں۔

'ابا! اب اور حاتم طائی نہ بنئے۔ کچھ روز بعد بھوکے رہنے کی نوبت آنے والی ہے۔'

'ان کی کیا ہے؟ یہ تو آج ہیں کل گزر جائیں گے۔ سارا دکھ تو ہم لوگوں کو ہی جھیلنا ہے۔'

'ہم ایک بار پھر آپ سے کہہ رہے ہیں کہ اب اور نہیں جھیلیں گے، جو فیصلہ کرنا ہے جلد ہی کر دیجیے۔'
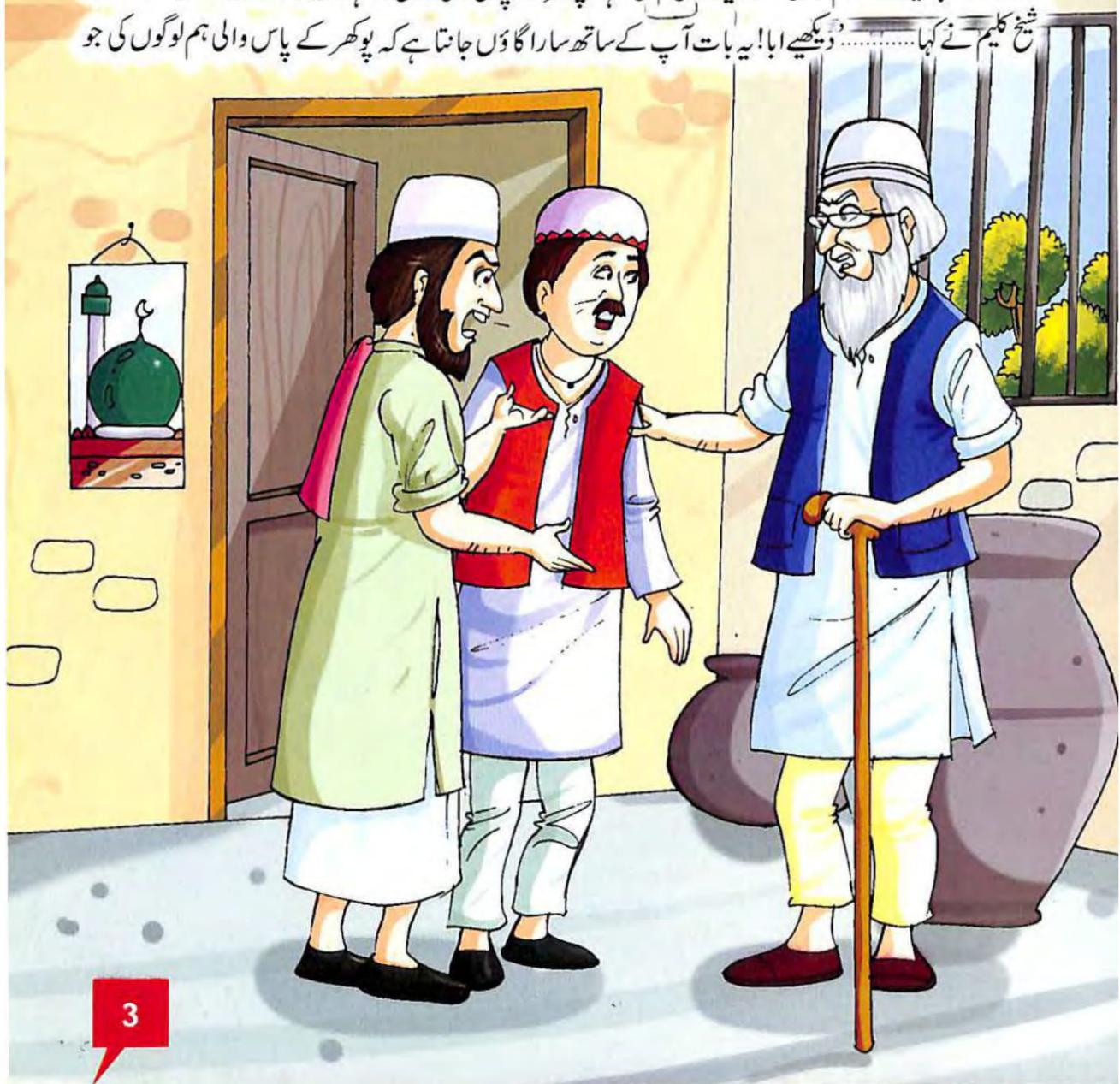
شیخ رمضانی نے دونوں کی جلی کٹی باتیں سن کر لگ بھگ چیخ کر کہا............'اب کیا چاہتے ہو تم لوگ۔ رہی سہی عزت کو بھی مٹی میں ملا دیں؟ ارے تم لوگوں نے کیا دیکھا ہے؟ کیا کیا دکھ نہیں جھیلا ہے ہم نے۔ تین تین دن بھوکے رہے

ہیں۔تم لوگ سمجھتے ہو کہ آج جس کھیت پر راج کر رہے ہو، آسانی سے مل گیا ہے؟ خون پسینہ ایک کیا ہے، ہم نے۔'

'ای بات آپ بار بار مت بولئے ابا۔اس میں احسان کا ہے کا۔کون باپ اپنے بچوں کے لیے نہیں کرتا ہے آپ ہی دنیا میں اکیلے تو نہیں ہیں۔'

شیخ سلیم نے بیوی کی بات کو اور آگے بڑھاتے ہوئے کہا............ 'کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا۔ہم اب بار بار یہ سب نہیں سنیں گے۔ہم لوگوں کو الگ کر دیجیے، دن بھر محنت کرو، تب بھی چین نہیں ہے۔'

اب شیخ رمضانی نے بیٹے کو بہت نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی............ 'بیٹا سب کچھ تم ہی دونوں کا ہے۔ہم کیا یہاں سے لے کر جائیں گے؟ تم کو کھیتی کے لیے زمین کم لگتی ہے تو پوکھر کے پاس والی زمین کا ہے نہیں جوتنے کی کوشش کرتے ہو۔'

شیخ کلیم نے کہا............ 'دیکھیے ابا! یہ بات آپ کے ساتھ سارا گاؤں جانتا ہے کہ پوکھر کے پاس والی ہم لوگوں کی جو
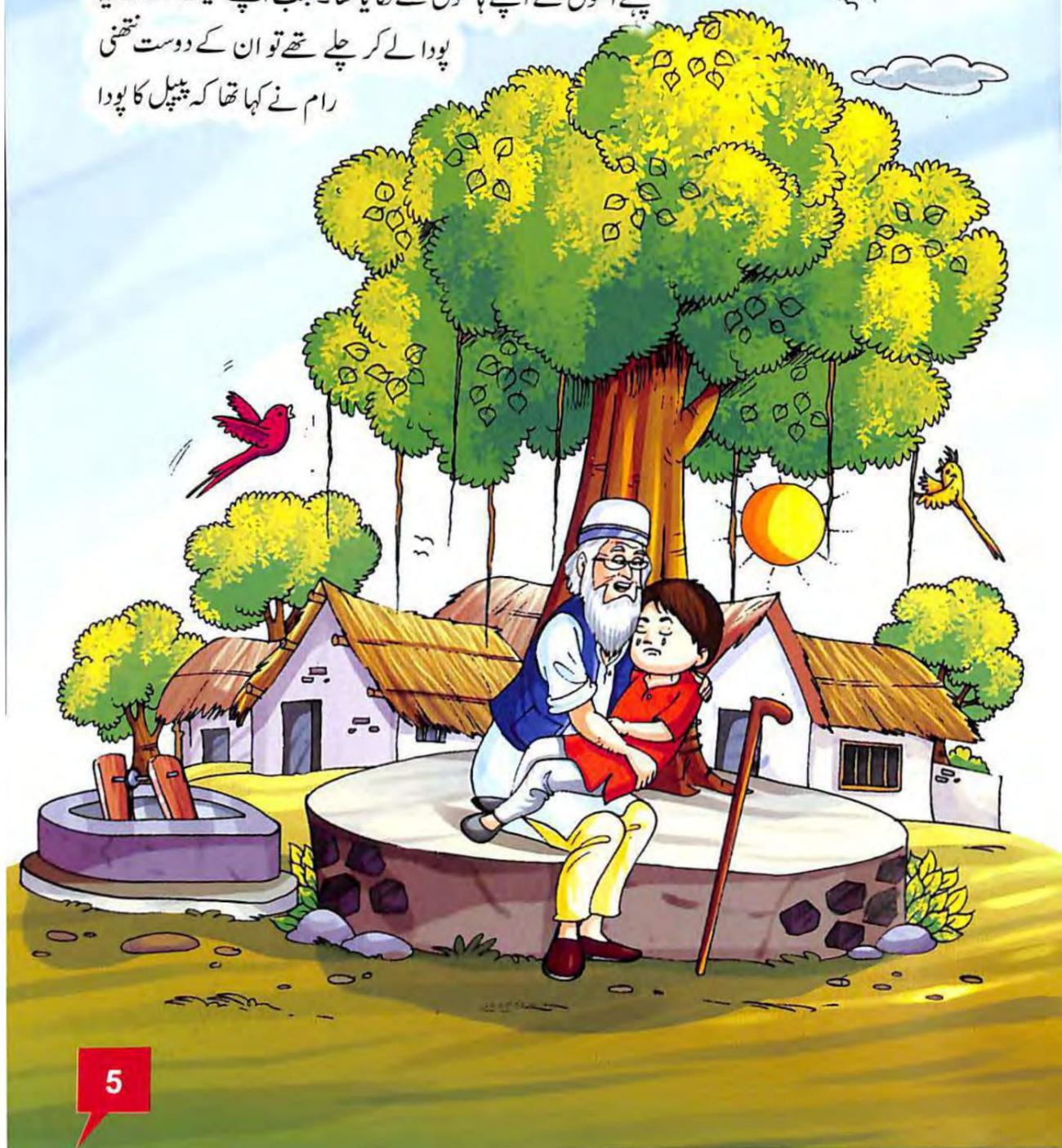
زمین ہے، ایک دم بنجر ہے۔ ایک بار آپ بھی بولے تھے کہ اس میں کنکر پتھر بہت ہے۔ ہل تک ٹوٹ چکا ہے۔'

'بیٹا یہ تب کی بات تھی جب میں اکیلے کام کیا کرتا تھا۔ کوئی بھی نہیں تھا میرے ساتھ۔ اب تم دونوں ہو۔ چاہو تو اور مزدور بھی رکھ سکتے ہو۔'

شیخ سلیم کی بیوی پھر ٹپکی .... 'اب ای سب ڈھکوسلا آپ ہی کیجیے۔ ہم لوگوں سے ای سب نہیں ہوگا۔'

'دلہن! تم بیچ میں کاہے کو بولنے لگتی ہو۔'

'کاہے نہیں بولیں؟ تکلیف ہم بھی سہتے ہیں اور پھر روز روز کا بک بک ہم کو بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔'

اب مُنّو سے بھی نہیں رہا گیا تو اس نے بول دیا .... 'چپ بھی رہو اماں۔'

مُنّو کا اتنا بولنا تھا کہ شیخ سلیم نے سارا غصہ اس پر اتار دیا۔ جب اسے کئی تھپّڑ رسید کر چکا تو زبردستی شیخ رمضانی نے
اسے چھڑا دیا اور روتے ہوئے مُنّو کا ہاتھ تھام کر گھر سے باہر نکل گئے۔ دونوں درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئے۔
کچھ دیر بعد مُنّو سسکتے ہوئے اپنے دادا جی کی گود میں سر رکھ کر سو گیا۔
اس تناؤ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شیخ رمضانی جس درخت کے نیچے آ کر بیٹھے ہیں اسے آج سے چالیس سال
پہلے انھوں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ جب اپنے کھیت سے وہ یہ
پودا لے کر چلے تھے تو ان کے دوست نتھنی
رام نے کہا تھا کہ پیپل کا پودا
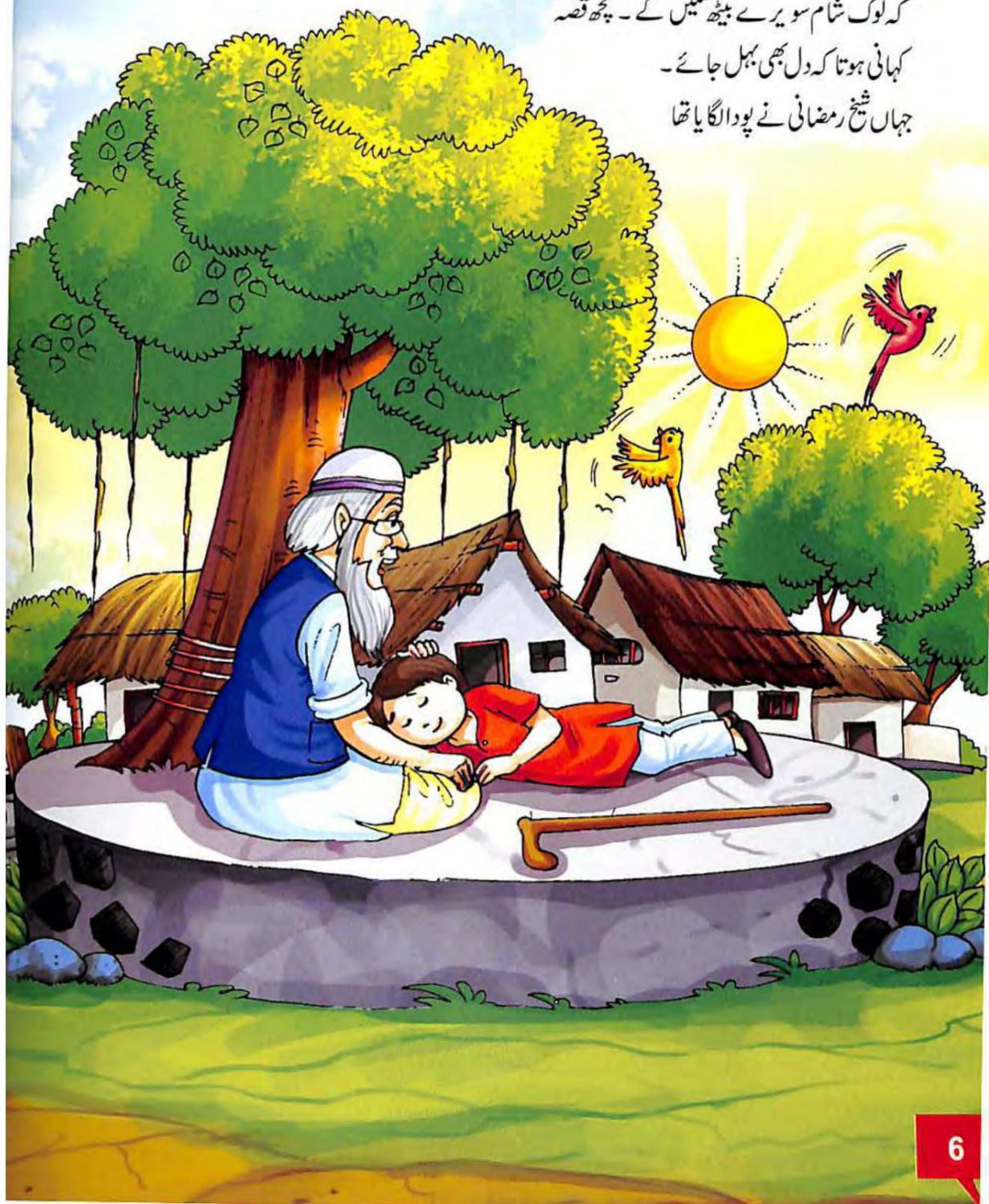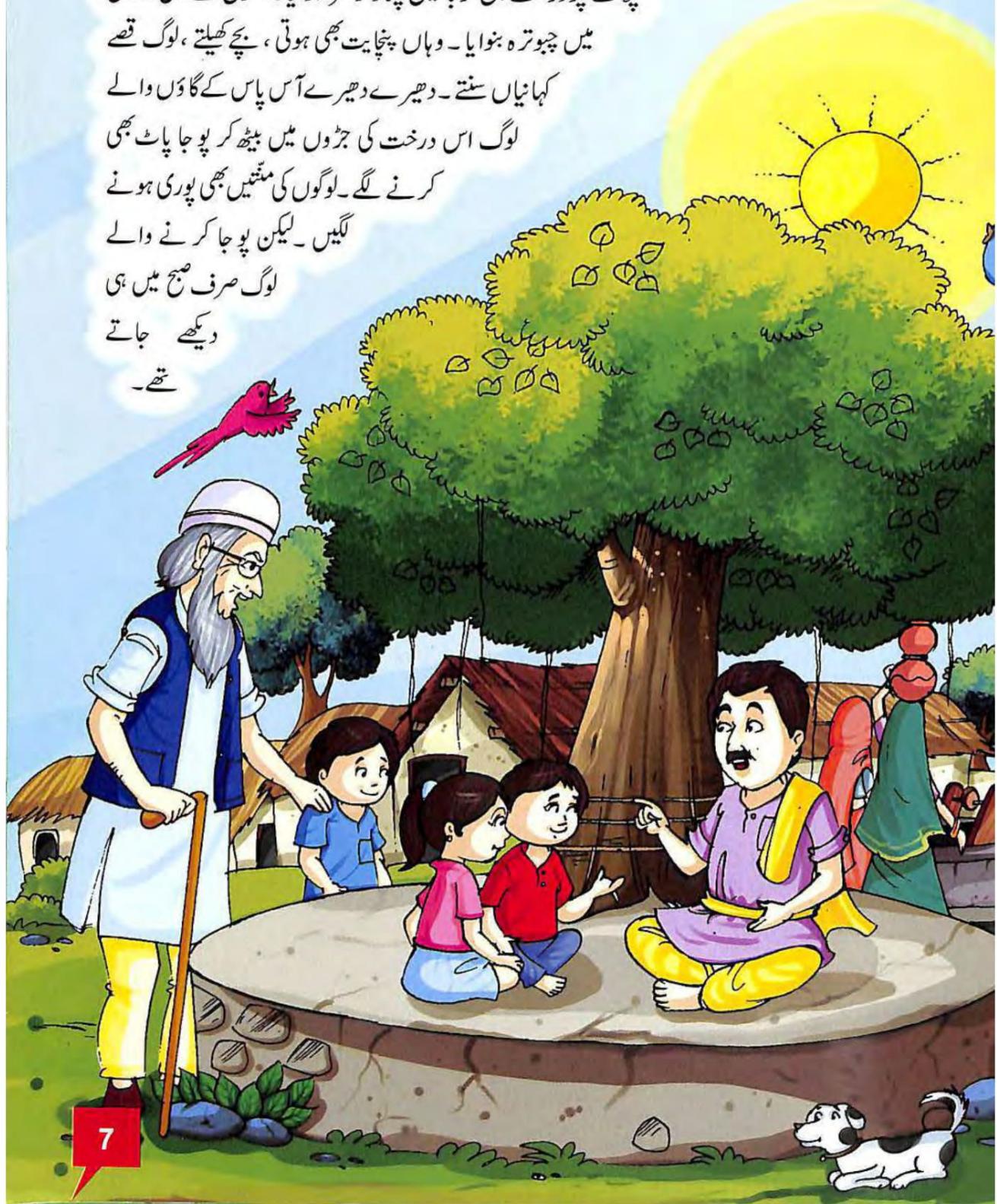
کاہے کو لگا رہے ہو۔ آم کا پودا ہوتا تو پھل بھی ملتا۔ تب شیخ رمضانی بولے تھے کہ پیپل کا پیڑ مجھے بھلا لگتا ہے۔ یہ بہت دنوں تک ٹکتا بھی ہے۔ اس کے پتّوں میں جو بات ہے وہ کسی اور میں کہاں؟ اور انھوں نے یہ بھی چاہا تھا کہ یہ پودا درخت بن جائے تو اس کی شیتل چھایا بھی ہوگی۔ بعد میں اس کے نیچے ایک چبوترہ بنوانے کا بھی پلان تھا کہ لوگ شام سویرے بیٹھ سکیں گے۔ کچھ قصہ کہانی ہوتا کہ دل بھی بہل جائے۔ جہاں شیخ رمضانی نے پودا لگایا تھا
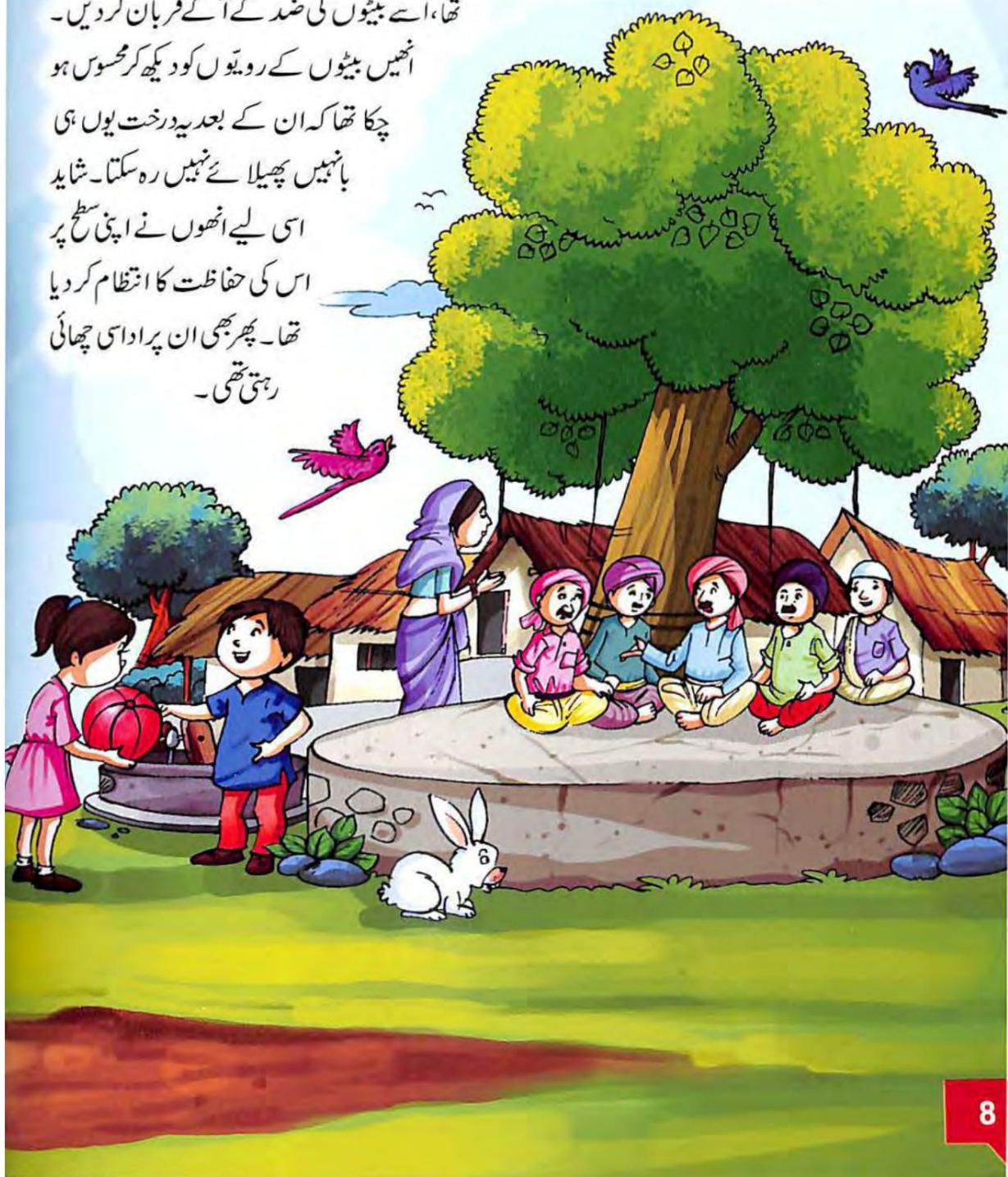
وہ ان کی اپنی زمین تھی ۔ پودا دھیرے دھیرے پھیلتا گیا اور پھر شیخ رمضانی کے لگ بھگ بیس کٹھّے کے اس پلاٹ پر درخت بن کر بانہیں پسار کر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے اس کے بیچ میں چبوترہ بنوایا ۔ وہاں پنچایت بھی ہوتی ، بچے کھیلتے ، لوگ قصے کہانیاں سنتے ۔ دھیرے دھیرے آس پاس کے گاؤں والے لوگ اس درخت کی جڑوں میں بیٹھ کر پوجا پاٹ بھی کرنے لگے ۔ لوگوں کی منّتیں بھی پوری ہونے لگیں ۔ لیکن پوجا کرنے والے لوگ صرف صبح میں ہی دیکھے جاتے تھے۔
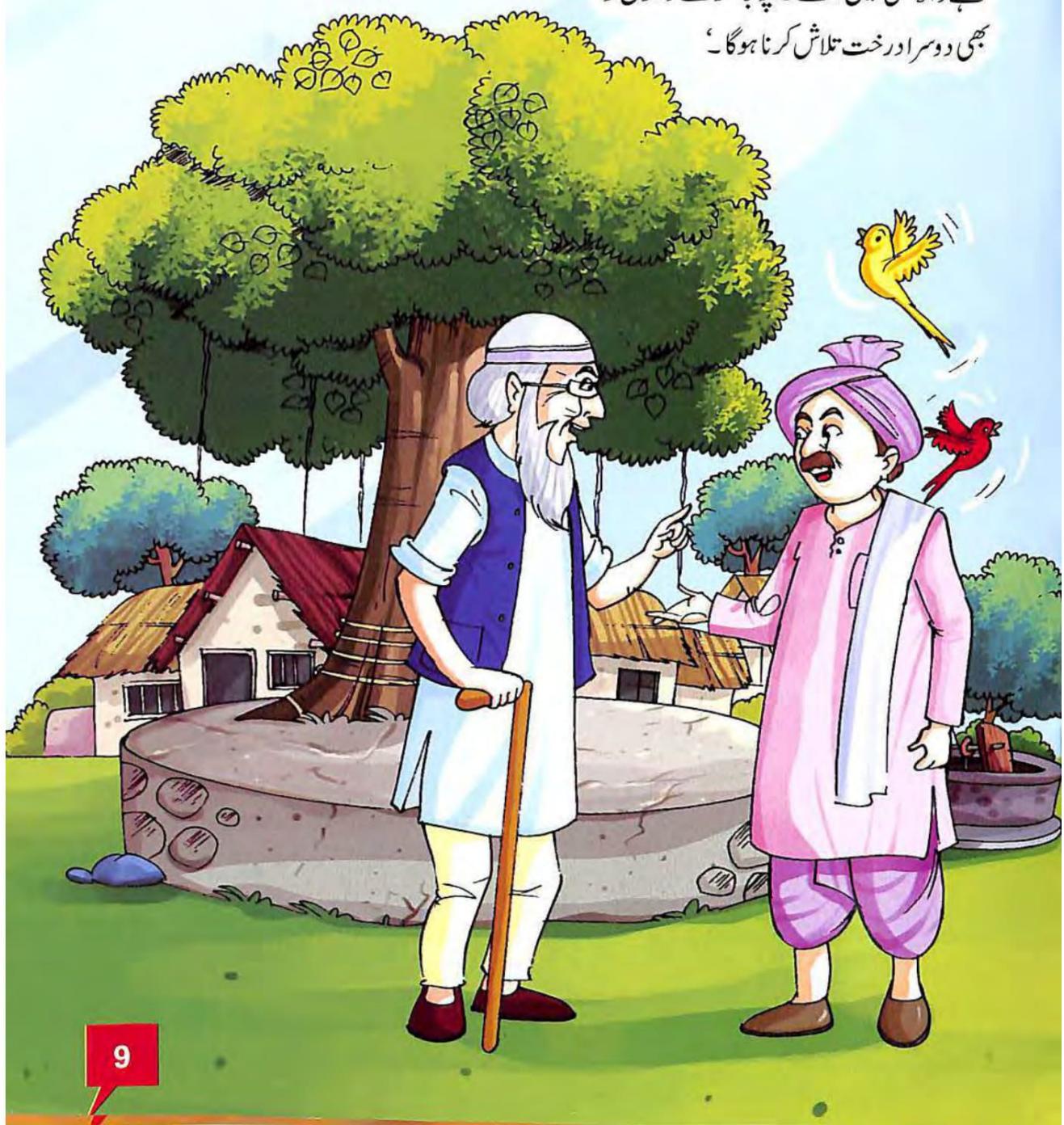
شیخ رمضانی کے بیٹوں کے نظریے سے یہ زمین بہت اپجاؤ تھی اور ان کا ایسا سوچنا غلط بھی نہیں تھا کہ قانونی طور پر زمین ان کی ہی تھی۔ وہ جب چاہتے جوت سکتے تھے، لیکن شیخ رمضانی ان کی پوری طرح سے مخالفت کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ برسوں پہلے انھوں نے جس درخت کی کلپنا کی تھی اور وہ درخت جس روپ میں ابھر کر ان کے سامنے آیا تھا، اسے بیٹوں کی ضد کے آگے قربان کر دیں۔

انھیں بیٹوں کے رویّوں کو دیکھ کر محسوس ہو چکا تھا کہ ان کے بعد یہ درخت یوں ہی بانہیں پھیلائے نہیں رہ سکتا۔ شاید اسی لیے انھوں نے اپنی سطح پر اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا تھا۔ پھر بھی ان پر اداسی چھائی رہتی تھی۔

آج اپنے دل کی بات انھوں نے اپنے بچپن کے دوست نتھنی رام سے کہی۔
'کیا کہتے ہو نتھنی۔ اب تو ہم لوگ کسی بھی روز گزر جائیں گے۔'
'کیا کرو گے، یہ تو ہوتا ہی ہے رمضانی میاں۔' نتھنی نے دور کھیتوں کو تکتے ہوئے کہا۔
'نتھنی مجھے ایک چنتا ہے کہ اگر میں نہیں رہا تو ہو سکتا ہے یہاں پر چوپال نہ ہو، یہ درخت بھی نہ رہے، کوئی کہانی کہنے والا بھی نہیں آئے۔ پوجا کرنے والوں کو بھی دوسرا درخت تلاش کرنا ہوگا۔'
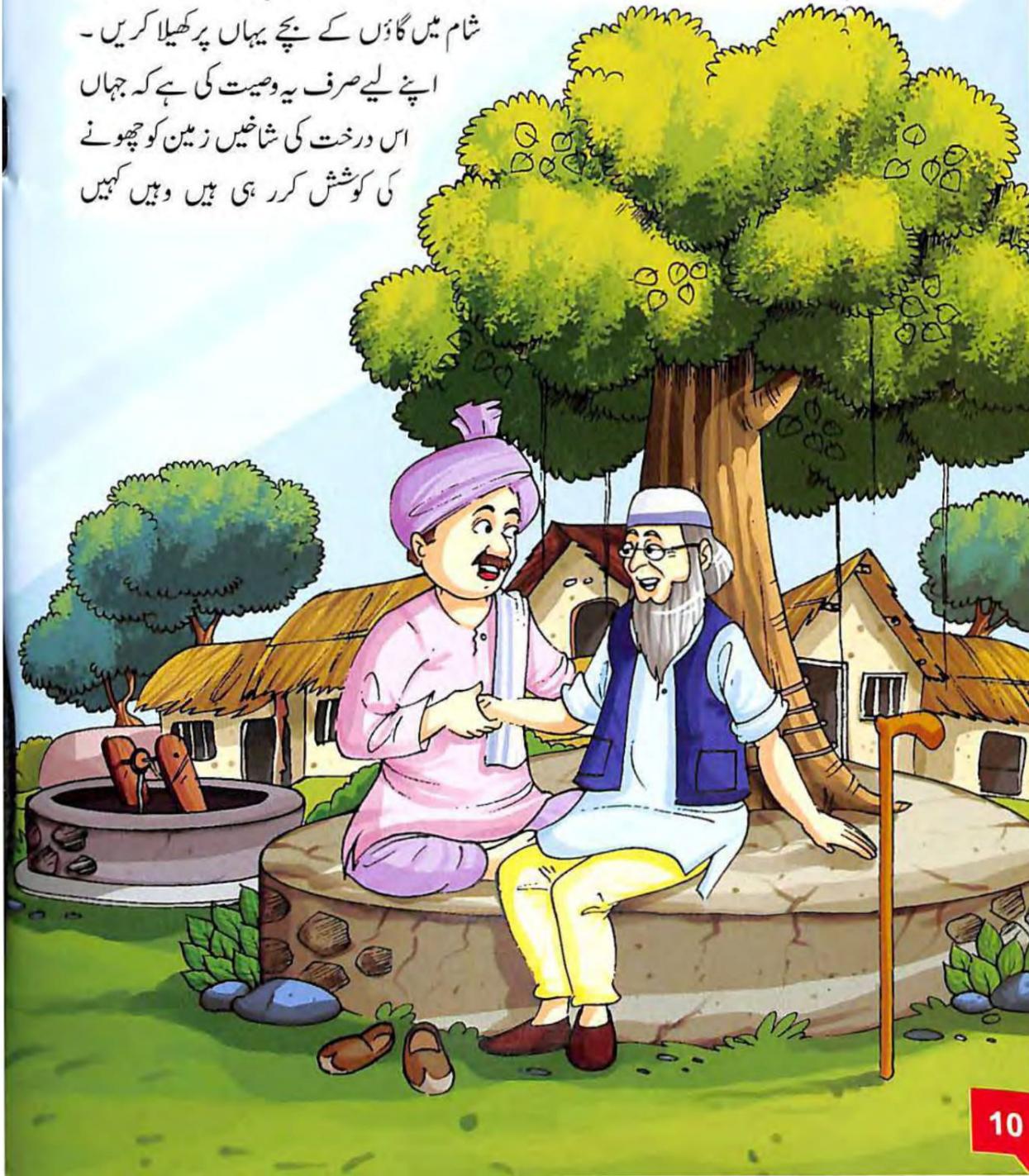
ننھی نے غور سے رمضانی میاں کو دیکھا۔ 'ای تم کا بکے جا رہے ہو؟'
'ننھی! میرے بیٹوں نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ چین سے مرنے بھی نہیں دیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس زمین کو جوت ڈالوں۔ بولو ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ اس لیے میں نے بہت سوچ و چار کر اپنی یہ زمین گاؤں کی پنچایت کے نام کرتے ہوئے وصیت کر دی ہے کہ اس درخت کو جیسے بھی ہو بچایا جائے، چوپال یہیں ہوتی رہے۔ شام میں گاؤں کے بچے یہاں پر کھیلا کریں۔ اپنے لیے صرف یہ وصیت کی ہے کہ جہاں اس درخت کی شاخیں زمین کو چھونے کی کوشش کر رہی ہیں وہیں کہیں
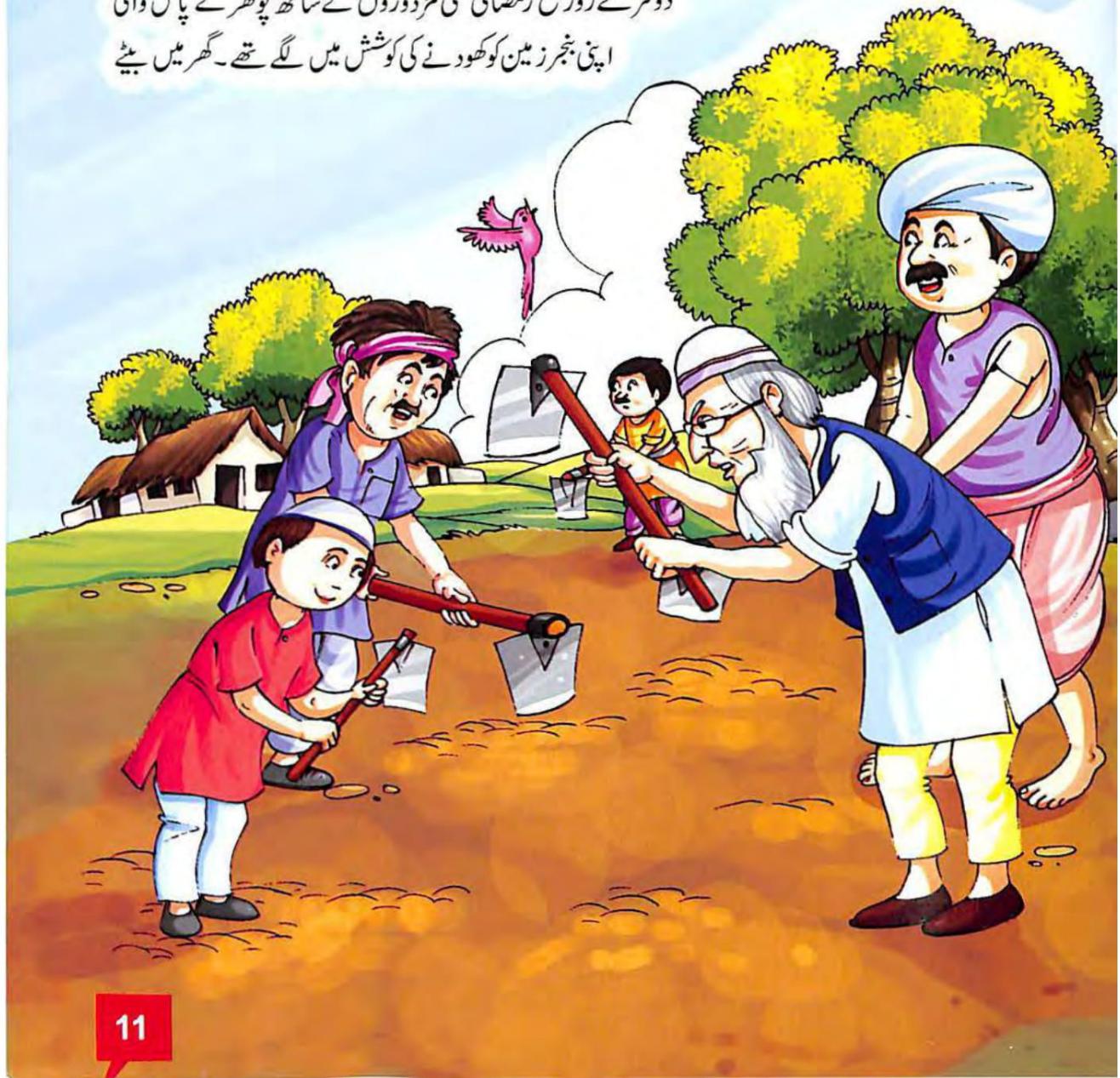
میرے مرنے کے بعد مجھے دفنایا جائے، میری قبر بنائی جائے، لیکن کبھی اس گارا یا سمینٹ ڈال کر پختہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ دھیرے دھیرے اسے زمین کی سطح بننے دیا جائے۔'

نتھنی رام یہ سن کر سناٹے میں آ گئے۔ پھر انھوں نے غور سے رمضانی کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتے ہی رہے۔ ان کے اندر بھاونائیں تو بہت ابل رہی تھیں لیکن شبد ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔
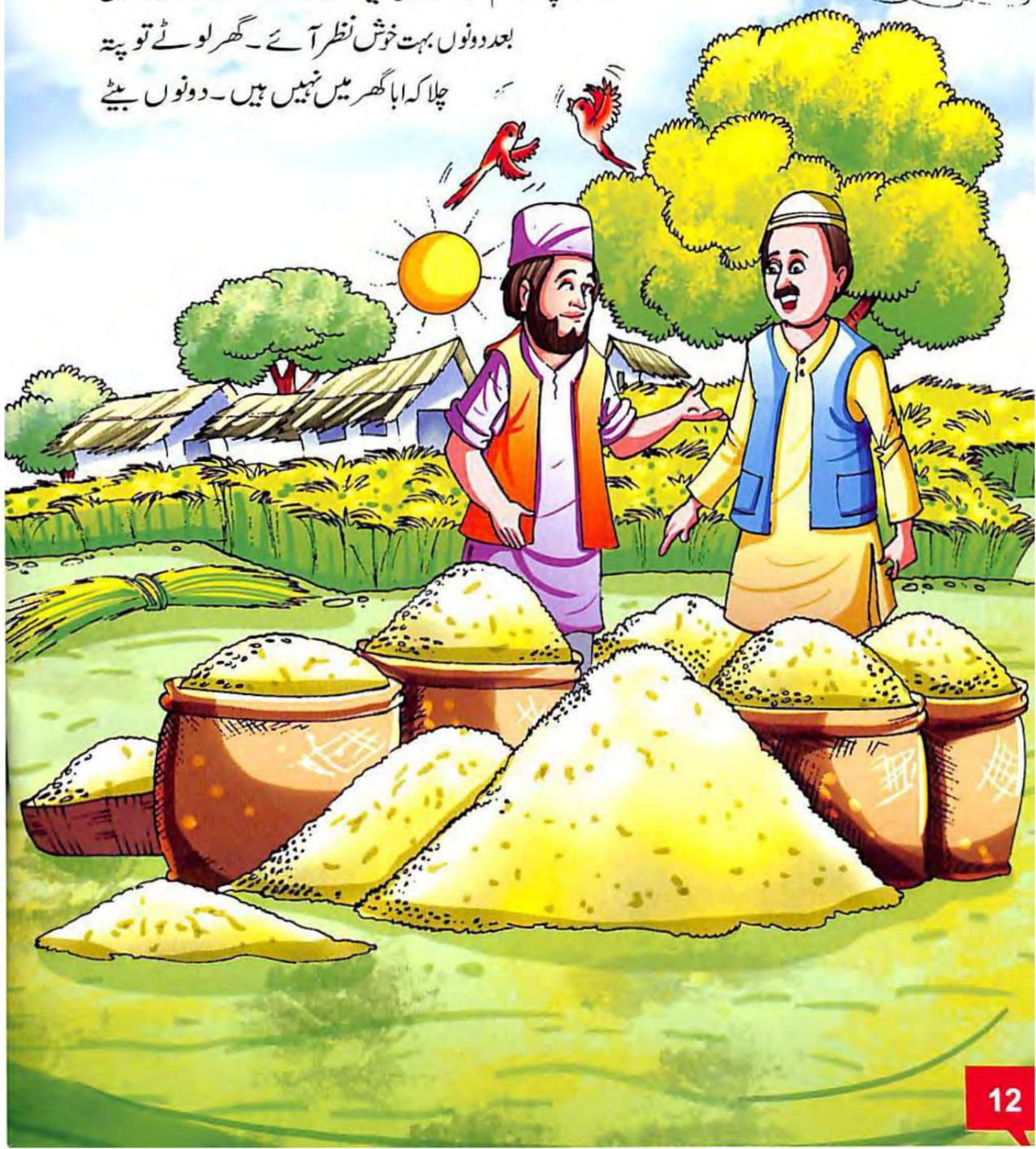
جب کچھ بھی نہیں کہہ پائے تو زور سے شیخ رمضانی کا ہاتھ تھام لیا۔

دوسرے روز شیخ رمضانی کئی مزدوروں کے ساتھ پوکھر کے پاس والی اپنی بنجر زمین کو کھودنے کی کوشش میں لگے تھے۔ گھر میں بیٹے

انھیں پاگل سمجھ رہے تھے لیکن شیخ رمضانی کا پوتا مُنّو ان کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہوا نظر آیا۔ کئی دنوں پھر کئی
مہینوں کی محنت کے بعد ایک روز ایسا ہوا کہ اس بنجر زمین پر بھرپور فصل ہوئی
اناج کھلیان میں لے جایا گیا تو شیخ رمضانی کے بیٹوں کو یقین نہیں
ہوا کہ اچانک ہم اتنے خوشحال کیسے ہو گئے۔ اس روز برسوں
بعد دونوں بہت خوش نظر آئے۔ گھر لوٹے تو پتہ
چلا کہ ابا گھر میں نہیں ہیں۔ دونوں بیٹے

ابا کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تو دور سے پیپل کے گھنے درخت کے نیچے چبوترے پر لیٹے ہوئے نظر آئے۔ انھیں قریب سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوا تھا کہ دنیا کی ہر فکر سے بے خبر ہو کر بہت سکون کے ساتھ سو رہے ہیں۔

بیٹے وہاں پہنچنے کے بعد ابا کو چین سے سوتا ہوا دیکھ کر پاس میں بیٹھ گئے۔ انھیں جگانے کی کوشش نہیں کی لیکن جب اندھیرا اور گھنا ہو گیا تو دوڑتا ہوا مُنّو درخت کے نیچے آیا اور اپنے دادا جی کو جگانے کی بہت کوشش کی لیکن شیخ رمضانی پورے طور پر سرد ہو چکے تھے۔
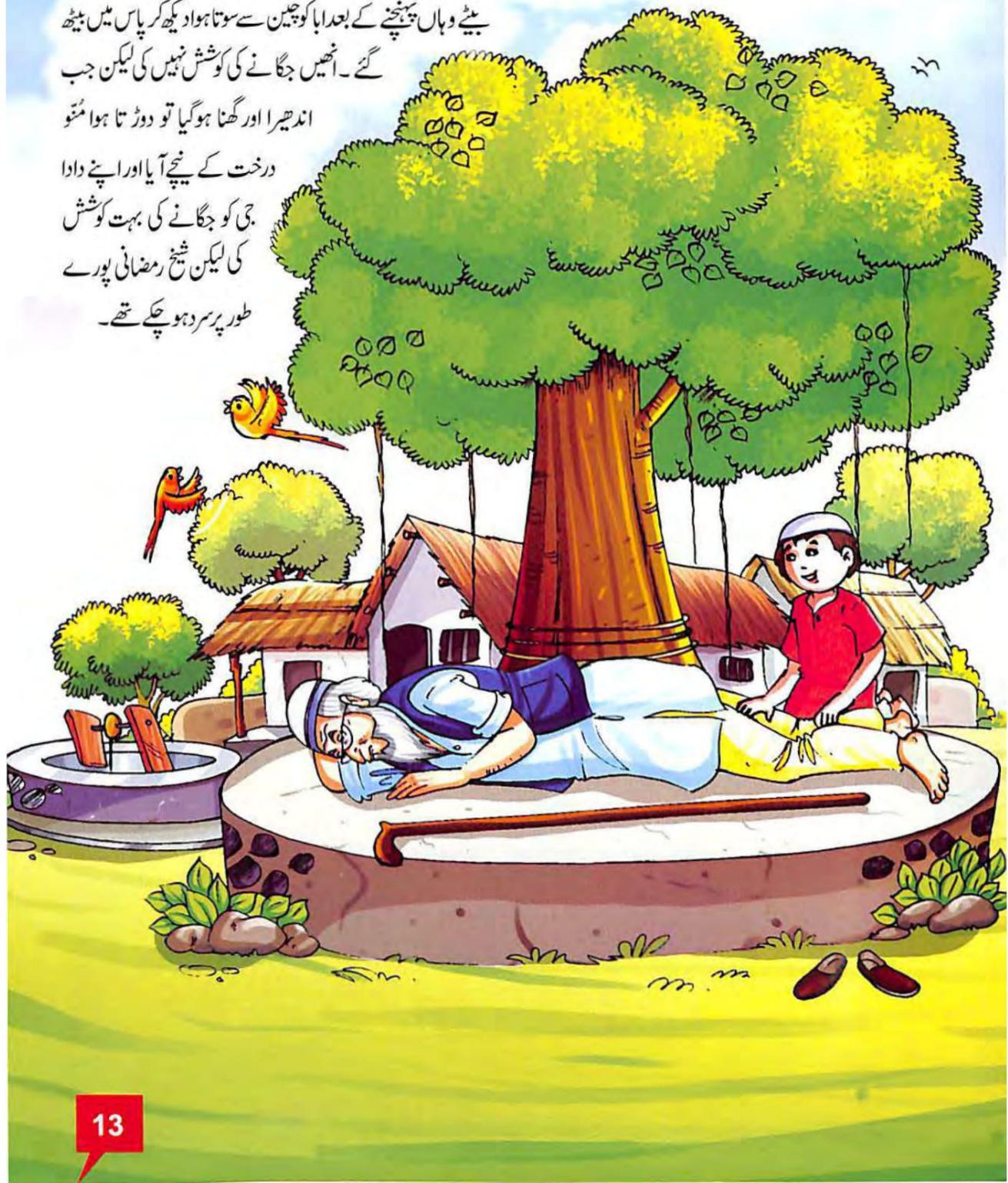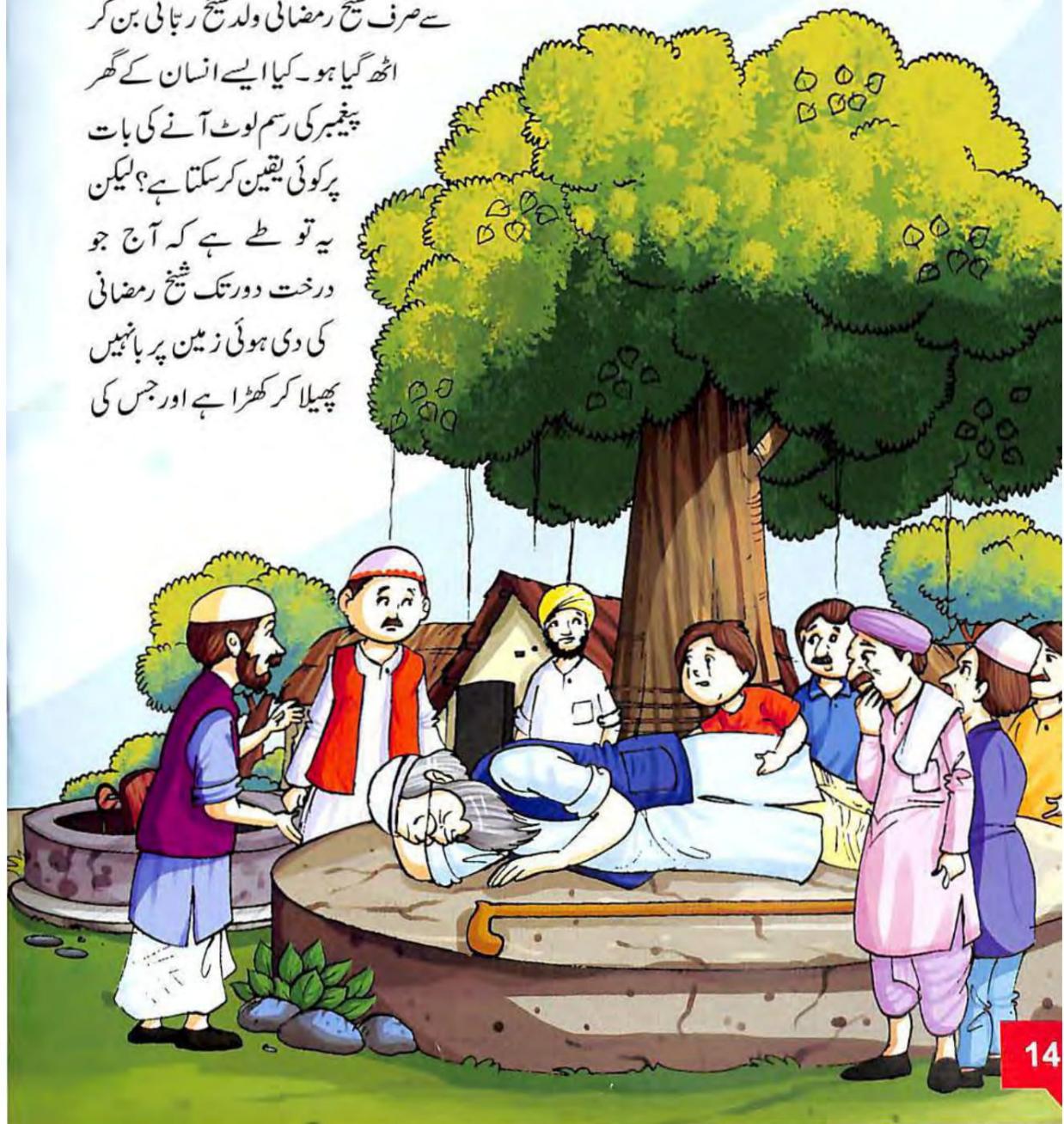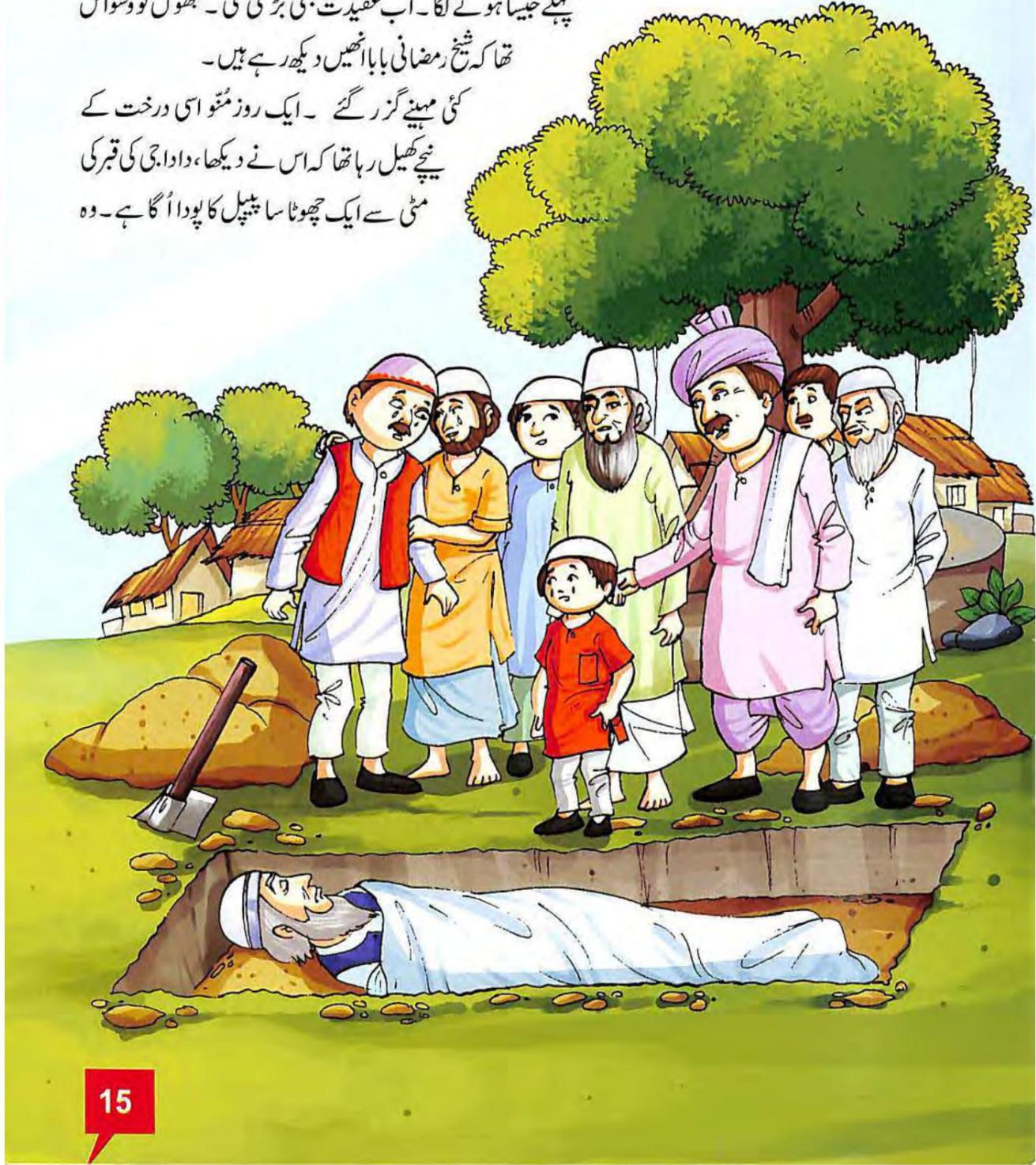
بیٹوں پر سکتہ طاری ہوگیا کہ انھوں نے اچانک اس عظیم ترین سانحے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ مذہبی کتابوں کے حوالے سے ہزاروں پیغمبروں کے بارے میں سنا تھا، ان کے پیغامات پر ایمان بھی لا چکے تھے لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ کسی بے حد معمولی کسان کے گھر اور جو بظاہر روایتی انداز سے اپنے خالق کی عبادت میں بھی کبھی مشغول نہیں پایا گیا ہو۔ جس نے اپنی چھوٹی سی کائنات کے انسانوں میں ہی سب کچھ تلاش کرلیا ہو، جس نے اپنے جینے کے انداز سے ہزاروں صحت مند تبدیلیاں لائی ہوں اور اس عالم سے صرف شیخ رمضانی ولد شیخ ربانی بن کر اٹھ گیا ہو۔ کیا ایسے انسان کے گھر پیغمبر کی رسم لوٹ آنے کی بات پر کوئی یقین کرسکتا ہے؟ لیکن یہ تو طے ہے کہ آج جو درخت دور تک شیخ رمضانی کی دی ہوئی زمین پر باہیں پھیلا کر کھڑا ہے اور جس کی

جڑیں نہ جانے کہاں کہاں تک پھیل چکی ہیں۔ شاید کوئی چاہ کر اسے نہیں مٹا سکتا۔ یہی سوچ کر سچ مچ دونوں پورے طور پر بھیک چکے تھے۔ ساری رات انھوں نے روتے ہوئے کیسے گزار دی اس کا احساس تک نہیں ہو سکا۔ جہاں درخت کی بانہیں زمین پر جھکی تھیں بیٹوں نے وصیت کے مطابق شیخ رمضانی کو وہیں پر دفنایا تھا۔ پھر درخت کے نیچے سب کچھ پہلے جیسا ہونے لگا۔ اب عقیدت بھی بڑھی تھی۔ سبھوں کو وشواس تھا کہ شیخ رمضانی بابا انھیں دیکھ رہے ہیں۔
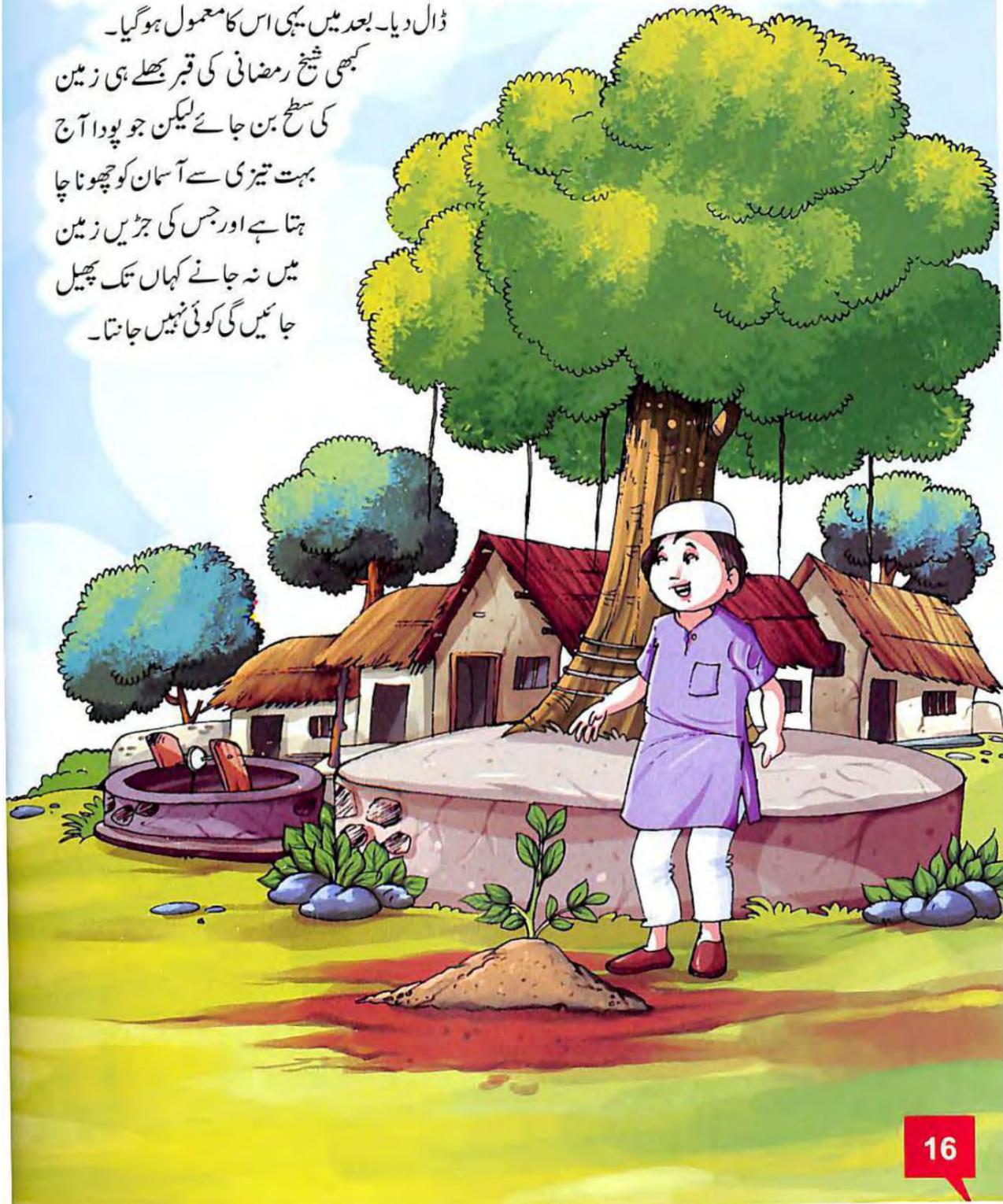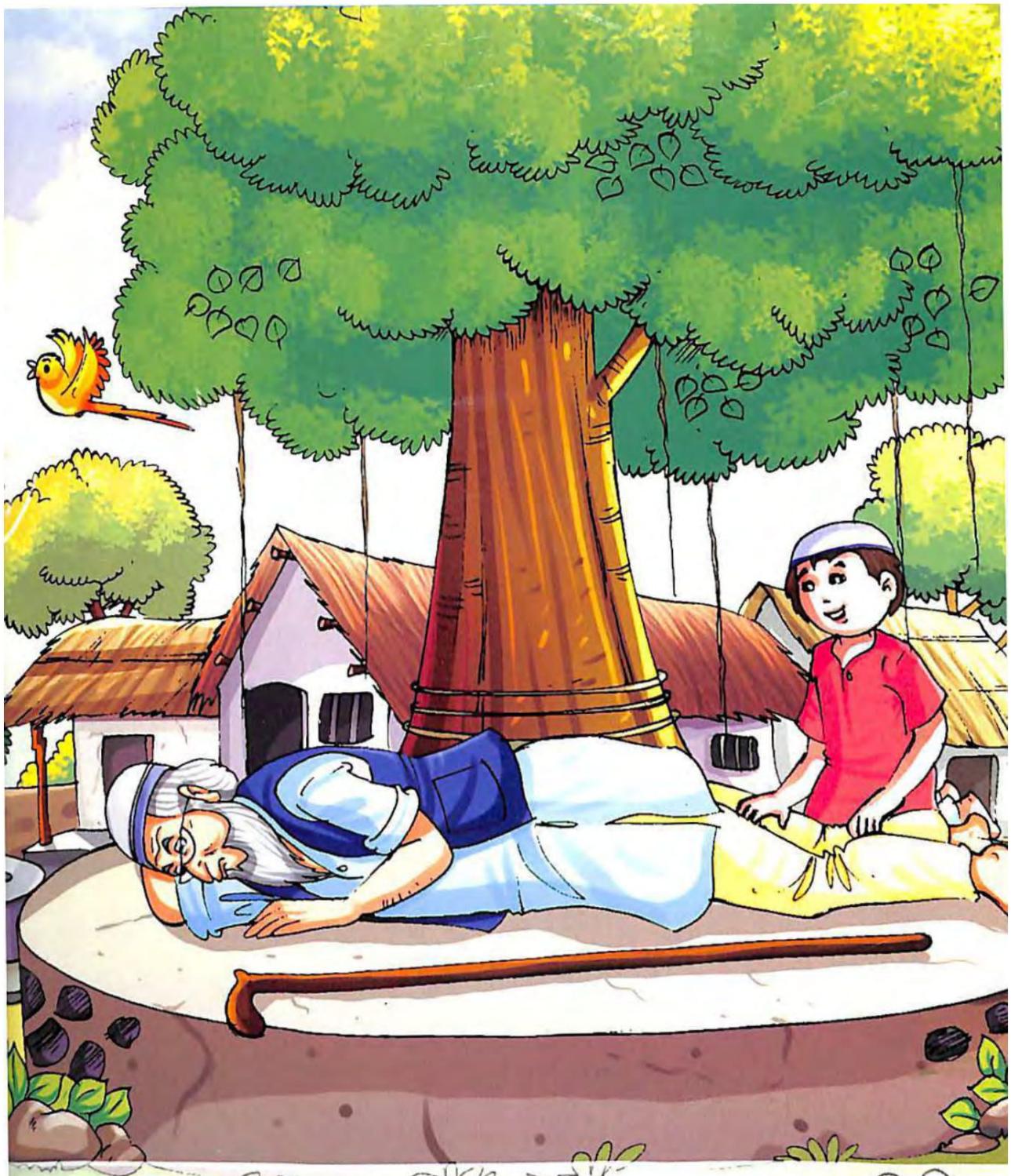
کئی مہینے گزر گئے۔ ایک روز مُنّو اسی درخت کے نیچے کھیل رہا تھا کہ اس نے دیکھا، دادا جی کی قبر کی مٹی سے ایک چھوٹا سا پیپل کا پودا اُگا ہے۔ وہ

دوڑتا ہوا اس جگہ پر گیا۔ اپنی طرح ایک دم معصوم سے پیپل کے چھوٹے چھوٹے پتّوں کو اپنے ننھے ہاتھوں سے دیر تک
چھوکر دیکھتا رہا۔ تھوڑی مٹی لے کر پودے کی حد بندی کی اور پھر پاس کے تالاب سے تھوڑا سا پانی لا کر اس کی جڑوں میں
ڈال دیا۔ بعد میں یہی اس کا معمول ہو گیا۔
کبھی شیخ رمضانی کی قبر بھلے ہی زمین
کی سطح بن جائے لیکن جو پودا آج
بہت تیزی سے آسمان کو چھونا چا
ہتا ہے اور جس کی جڑیں زمین
میں نہ جانے کہاں تک پھیل
جائیں گی کوئی نہیں جانتا۔

ISBN:978-93-5160-153-1
9 789351 601531
NCPUL
New Delhi
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون ایف سی 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025